ڈاکٹر نصر اللہ وزیر

ہمسایہ زبانوں کے تناظر میں پشتو کے املائی نظام کا تقابلی جائزہ

اگر دنیا میں انسان کی اس چھوٹی سی بستی پر نظر ڈالی جائے تو یہاں انسان کئی خطوں، بے شمار رنگوں، کئی مذاہب اور بہت سی زبانوں میں منقسم آباد نظر آتا ہے لیکن نسل انسانی کو یک جا کرنے کے لیے انسان کے گرد بنے ہوئے ان سب دائروں کو جس واحد دائرے میں پرو دیا گیا ہے وہ انسان کی زبان سے نکلنے والی صدا ہے، جس کو ازل سے ہی اس کی گرفت میں دیا گیا انسان کی معاشرتی زندگی میں یہی وہ واحد آلہ ہے جس سے انسان کی پہچان اور اب تک کی ترقی ممکن ہوئی ہے لہٰذا:

''بولنا انسان کی غولی جبلت، ساز سنگت اس کا ہمراہی جذبہ اور ایجاد زبان اس جذبے کی تسکین کا عملی پہلو ہے۔ قدرت نے انسان کو آلات نطق عطا فرمائے اور زمین کے مختلف خطوں اور علاقوں میں بسنے والے انسانوں نے اس عالم صوت وصدا سے آوازیں چن چن کر اپنی اپنی زبانوں کی بنیادیں فراہم کیں۔ پھر آوازوں کی ریت اور سیمنٹ سے الفاظ کی اینٹیں تھاپیں اور پٹیاں بنائیں، دیواریں اور ستون اٹھائے، چھتیں ڈالیں اور رقبے کی متناسب اور متوازن تقسیم اور ڈیزائن کی دل فریبی اور حسن کاری سے زبان کا ایک عالی شان محل کھڑا کر لیا لیکن زبان کی بنیاد آواز ہی رہی۔''[۱]

اگرچہ انسان اپنے مافی الضمیر کے اظہار کے لیے صوت کی علاوہ بھی اور بھی بہت سے ذرائع بروئے کار لاتا ہے لیکن ان میں سے صوت کو کئی گنا خاص فضیلت حاصل ہے وہ اس لیے کہ قدرت نے صرف اور صرف انسان کو یہ ملکہ بخشا ہے کہ وہ اپنی مرضی ومنشا کے مطابق اصوات کو اس طرح استعمال میں لائیں جس طرح وہ چاہتا ہے لیکن جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ: ''زبان کی بنیادیں آوازیں حاضر وموجود کے لیے ایجاد ہوئی ہیں اور رسم الخط کی تحریری علامات یعنی حروف آنکھ سے اوجھل افراد کے لیے ڈھالے گئے ہیں۔''[۲]

اس طرح صوت کے ساتھ ساتھ حرف کی اہمیت کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کیوں کہ حروف جنھیں اصوات کی علامتیں قرار دیا جاتا ہے جہاں انھیں کسی زبان میں جس قدر منظم اور مربوط طریقے سے پرو دیا گیا ہو، وہاں اس سے نہ صرف الفاظ کی ادیگی میں آسانی پیدا ہوگی بلکہ ان کی معنی ومفہوم بھی جلد ذہین نشین ہوگی۔

رسم الخط کے معاملے میں ہونا تو یہ چاہیے کہ جس زبان میں جتنی آوازیں ہوں گی ان کے لیے

حروف بھی اتنے ہی وضع ہوں لیکن بہ ظاہر ایسا ممکن نہیں، کیوں کہ بہت سی زبانیں ایسی ہیں جن کے حروف کم اور اصوات زیادہ ہیں (مثلاً ہمسایہ زبانوں میں بلوچی، چترالی، کوہستانی اور آریائی زبانوں میں انگریزی اور لاطینی زبانیں)، ویسے تو دنیا میں ہزاروں زبانیں بولی جاتی ہیں، لیکن ان زبانوں کی تعداد کی مناسبت سے ان کے رسم الخط اتنی تعداد میں ایجاد نہیں ہوئے ہیں جس قدر زبانوں کی تعداد ہے۔ شاید اس کی بنیادی وجہ یہ ہو کہ: ''آوازوں کو حرف میں بند کر دینا اتنا مشکل نہیں ہوتا جتنا حرفوں سے انھیں صحیح سلامت برآمد کرنا مشکل ہوتا ہے کیوں کہ رسم الخط کی کوتاہی کا خمیازہ لکھنے والے سے زیادہ پڑھنے والے کو بھگتنا پڑتا ہے۔''[۳]

لہٰذا رسم الخط ایک واسطہ ہے آوازوں کو مجسم شکل میں ڈھالنے کا، تاکہ اپنے سے دور کے لوگوں سے رابطہ ممکن ہو سکے اور آئندہ کے لیے اسلاف کے ورثے کو محفوظ اور علم کی ترسیل و حصول کو ہر کسی کے لیے ممکن بنایا جا سکے۔

جس طرح دنیا میں بے شمار زبانیں بولی اور سمجھی جاتی ہیں اس طرح ان میں سے ہر زبان کی اپنی الگ اور منفرد حروف اور رسم الخط ہے لیکن ان میں سے کوئی بھی زبان ایسی نہیں ہے جس کا رسم الخط ابتدا سے اب تک ایک جیسا رہا ہو کیوں کہ تغیر پہ دنیا کا نظام قائم ہے اور ثبات اس واحد ذات کے لیے ہے جو ہمیشہ سے قائم و دائم ہے۔ چوں کہ انسانوں کے بیچ ربط الفاظ کے تبادلے پر منحصر ہے اور الفاظ جب ایک جگہ سے دوسری جگہ کا سفر کرتے ہیں تو بیش تر اوقات ان کی بنیادی ساخت پہلی حالت پر نہیں رہتی۔ اس طرح سے کسی زبان کے املا میں مسائل تب ہی ابھر آتے ہیں جب اس میں دوسری زبانوں کے الفاظ جگہ بنا لیتے ہیں اور ان کے بعض الفاظ کچھ عرصہ کے لیے یا مستقل طور پر خارج ہو جاتے ہیں اس داخل ہونے والے حروف جب دوسری زبانوں میں جگہ بنا لیتے ہیں تو اس طرح کے الفاظ نئی زبانوں میں کئی پریشانیاں پیدا کر دیتے ہیں چنانچہ کسی زبان میں نئے الفاظ کے در آنے سے یا بعض دفعہ کسی زبان کے اندر سے اٹھنے والی لسانی تغیرات کے سبب اس بات کی اشد ضرورت محسوس کی جاتی ہے کہ زمانے کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے زبان کے ذخیرہ الفاظ میں اضافہ ہوتا رہے کیوں کہ ایک زندہ اور افعال زبان کی یہی پہچان ہوتی ہے کہ اس میں رد و قبول کا عمل ہمیشہ سے جاری و ساری رہتا ہے۔

برصغیر کی زبانوں میں اردو اس حوالے سے خوش قسمت رہی ہے کہ اس کی ساخت و ماہیت، گرائمر، لغت اور رسم الخط وغیرہ پر ہر دور کے ایسے بہت سے علما نے ڈھیر سارا کام کیا ہے ویسے تو ان علما کے علمی و ادبی کاوشوں کا تذکرہ نہایت ہی طویل ہے لیکن ان میں سے چند علما کے ناموں پر ہی اکتفا کیا جائے تو ان میں سے میر امن، سرسید احمد خان، محمد حسین آزاد، سید سلیمان ندوی، حافظ محمود شیرانی، سید محی الدین قادری زور،

عبدالقادر سروری، شوکت سبزواری، مولوی عبدالحق، سید احتشام حسین اور عہد حاضر میں سے جمیل جالبی، ڈاکٹر سہیل بخاری اور طرح ایسے بیسیوں نام ہیں جن کی علمی وفکری بصیرت سے اردو کو وہ مقام اور وسعت نصیب ہوئی، جس کی وہ متقاضی تھی چنانچہ اس طرح اردو کا علمی وادبی ذخیرہ ہر دور میں نمو پذیر ہے۔ موجودہ دور میں بھی اس کے املا اور رسم الخط میں اصلاح کی غرض سے مختلف وقتوں میں سیمینارز، میٹنگز، ورکشاپس اور کانفرنسیں تواتر سے منعقد ہوتی رہتی ہیں، جن کی سفارشات پر ہندو پاک میں اردو زبان وادب کی ترویج وترقی ممکن ہو سکی ہے۔

چوں کہ اصلاح زبان املا میں تو آسانی سے کی جاسکتی ہیں جب کہ رسم الخط میں تقریباً یہ ناممکن ہے۔ (جیسے ترکی اور انڈونیشیا کی زبانیں)۔ کیوں کہ رسم الخط میں اس بات کی بہت ہی کم گنجائش ہوتی ہے کہ اس کے بنیادی ساخت میں تبدیلیاں لائی جائیں۔ دنیا میں کم ہی ایسی زبانیں، ہوں گی جن کا اپنا رسم الخط نہ ہو۔ چنانچہ انھی کی بہ دولت آج دنیا میں بہت سے زبانیں اور کئی رسم الخط ہم تک پہنچ پائے ہیں۔ دیگر زبانوں کے علاوہ ہند آریائی زبانوں کی فہرست میں سے جو مقامی زبانیں ہیں (بالخصوص پشتو، سندھی، بلوچی، سرائیکی وغیرہ) ان کا رسم الخط اسلام سے قبل جو بھی تھا وہ رہا ہوگا لیکن بعد از اسلام جب سے ان زبانوں نے عربی طرز کے رسم الخط کو اپنایا تو ان کا املا یا صحت زبان اور تصحیح لغت کے لیے ان زبانوں کے علما مختلف وقتوں میں اپنی بساط کے مطابق کوشش کرتے رہے ہیں۔

دنیا میں جتنے مروجہ رسم الخط ہیں ان سب کے لکھنے کا طریقہ کار بالعموم تین طرح کا ہے ان میں سے ایک وہ جو دائیں سے بائیں لکھے جاتے ہیں جن میں سے عربی اور عربی سے مماثل زبانیں شامل ہیں، دوسرے وہ جو بائیں سے دائیں لکھے جاتے ہیں ان میں یورپی زبانیں یا وہ جو رومن طرز پر لکھی جاتی ہیں، تیسرے وہ جو اوپر سے نیچے کو لکھے جاتے ہیں ان میں چینی اور بعض دوسری زبانیں شامل ہیں۔

انسان اپنے خیالات کے اظہار کے لیے زبان کو جس مقصد کے طور پر استعمال کرتا ہے وہ اس بات کا متقاضی ہے کہ خود اس کے ممکنہ ذرائع یعنی اصوات، حروف، الفاظ اور جملوں کی ساخت کی صحیح صحیح ادائیگی کو بھی ملحوظ خاطر رکھا جائے۔ چوں کہ ہمارے یہاں بعض علاقائی زبانوں (جیسے پشتو، بلوچی، براہوی، سرائیکی وغیرہ) کے لیے ایسا ادارہ تو نہیں جو زبان کے تمام فنی لوازمات کی باقاعدگی سے نگرانی یا جانچ پڑتال کر سکے، لیکن تحقیق سے وابستہ بعض اہل دانش اپنی ذاتی کوششوں سے اہل زبان کے درمیان رہتے ہوئے یا ان کے توسط سے اس عمل کو زندہ رکھے ہوئے ہیں۔ لیکن ان کے اس خود ساختہ عمل سے ان زبانوں کو بعض اوقات بہت نقصان بھی اٹھانا پڑا ہے، جس کو اس زبان کے مختلف لہجوں یا اس کی داخلی ساخت میں واضح طور پر محسوس کیا

جاسکتا ہے۔ اوران کے رسم الخط یا حروف کی ادائیگی میں جوسقم دیکھنے کو ملتے ہیں وہ بھی اس وجہ سے ہیں کہ ہماری زبانوں کی گرائمر، صوتیاتی اور لہجوی ساخت کو دیگر ترقی یافتہ زبانوں کی طرح منظم اور مربوط نہیں کیا گیا ہے۔ بعض اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ ہم رسم الخط اور املا کو آپس میں خلط ملط کر جاتے ہیں حالانکہ ان دونوں کا دائرۂ عمل قطعاً ایک دوسرے سے جدا ہے، جہاں تک رسم الخط کا تعلق ہے تو ''رسم الخط سے مراد وہ نقوش وعلامات ہیں جنھیں حروف کا نام دیا جاتا ہے اور جن کی مدد سے کسی زبان کی تحریری صورت متعین ہوتی ہے، یا یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ زبان کی تحریری صورت کا نام رسم الخط ہے۔''[۴]

اس طرح جو رسم الخط اور املا کو ایک ساتھ بیان کرنے لگ جاتے ہیں تو اس یہ دشواری پیدا ہو جاتی ہے کہ ان کی آپس کی خامیوں اور کوتاہیوں کے درمیان پھر امتیاز نہیں ہو پاتا، لیکن رسم الخط کا مسئلہ اتنا اہم نہیں، جس قدر املا کی درستی ضروری ہوتی ہے۔ کیوں کہ اصلاح رسم الخط میں نہیں، بلکہ املا ہی میں ہوا کرتی ہے املا اور رسم الخط میں جو فرق رہا ہے وہ اس قدر ہے کہ ''املا کے لغوی معنی ہیں لکھنا، لکھوانا اور رسی دراز کرنا۔ زبان کی اصلاح میں ''املا'' سے مراد کسی لفظ کو مقررہ ضابطوں کے ساتھ اس طرح لکھنا ہے کہ بولنے اور پڑھنے میں اسے صحیح تلفظ کے ساتھ ادا کیا جاسکے۔''[۵]

یا یوں کہیے: ''کسی زبان کی عبارت یا لفظوں کا اس کی لکھاوٹ کے طریقے پر درست لکھنا املا کہلاتا ہے۔''[۶]

لیکن اس کی جامع تعریف اگر ہم پیش کرنا چاہیں تو ''املا دراصل لفظوں میں صحیح صحیح حرفوں کے استعمال کا نام ہے اور جو طریقہ ان حرفوں کے لیے استعمال کیا جاتا ہے وہ رسم الخط کہلاتا ہے۔''[۷]

چوں کہ صوت ہمیشہ سے مخاطب یا حاضر کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جس میں تحریر یا کسی قسم کے علامات کی ضرورت نہیں ہوتی، لیکن جب ہم اپنے مدعا کو غائب یا غیر حاضر تک پہنچانا چاہتے ہیں تو اس صورت میں ہمیں علامات یا نقوش کو استعمال کرنے کی ضرورت پیش آئے گی۔ چنانچہ ایسی علامات جن کے ذریعے سے ہم اپنا اظہار دوسروں تک پہنچائیں، عموماً حروف کی شکل میں ہوا کرتے ہیں اور ان ہی حروف کی مدد سے زبان کی تحریری صورت متعین ہوتی ہے یعنی زبان کی اس تحریری صورت کو ماہرین لسانیات نے رسم الخط کا نام دیا ہے۔

کسی بھی زبان کی ترقی، اس کی وسعت اور جامعیت اسی میں ہے کہ اس میں زیادہ سے زیادہ انسانوں کے درمیان رابطے پیدا کرنے کی صلاحیت موجود ہو اور ساتھ ہی یہ وصف بھی پایا جاتا ہو کہ ان کے حروف واصوات کے قاعدے معلوم اور منضبط ہوں، ان قواعد میں توازن، اعتدال اور ہمہ گیریت ہو لیکن کسی

زبان میں اصلاح املا کی ضرورت اس لیے پیش آتی ہے کہ بعض اوقات جب کوئی لکھنے والا اپنے خود رو طرز املا یا طرز حروف کو کسی منفرد طریقے سے اپنی زبان یا رسم الخط میں داخل کر دیتا ہے یا داخل کرنے کی شعوری کوشش کرتا ہے تو اس سے ایک قسم کی غلط فہمی پیدا ہو جاتی ہے اور دوسرے بنا کسی تحقیق اس کی پیروی کرنے لگتے ہیں اس طرح یہ غلطی آگے بڑھتے بڑھتے بالآخر کسی نہ کسی مقام پر ایک سند کا درجہ حاصل کر لیتی ہے۔

بعض اوقات کسی زبان کے مختلف لہجوں میں صوتی تغیر کے پس پشت عوامل میں سے اس زبان کے بولنے والوں کا جغرافیائی ماحول، علاقائی مسافت اور چند دیگر معاشی و معاشرتی عوامل بھی کارفرما ہوتے ہیں جس کی وجہ سے زبان کی داخلی ساخت متاثر ہو جاتی ہے اور اس کی مختلف بولیوں کے طرز تحریر اور صوتی ادائیگی میں واضح اختلاف سامنے آنا شروع ہو جاتے ہیں۔ ان سب باتوں کے باوجود کوئی بھی زبان آج تک یہ دعویٰ نہیں کر سکی، کہ وہ الفاظ اور تحریر و تقریر کے لحاظ سے کامل ہے، کیوں کہ ہر زبان کے رسم الخط اور طرز املا میں بھی لاتعداد غلطیاں پائی جاتی ہیں، جو ہنوز اصلاح طلب ہیں۔ اس طرح کوئی بھی زبان اپنی داخلی نظام میں یکتا اور کامل نہیں ہے لیکن ان کے املا اور رسم الخط میں جو نقص نظر آ رہے ہیں اس سے مراد یہ بھی نہیں کہ یہ زبانیں ناقص ہیں یا اس قابل نہیں کہ ان کے املائی نظام یا رسم الخط میں کہیں کوئی اصلاح کی گنجائش نہیں۔ زبان ہر دور میں اپنے بولنے والوں کے لیے اتنی ہی آسائش مہیا کرتی ہیں جو قدر زمانہ کے مطابق ہو، لہٰذا کوئی بھی زبان اپنی ساخت کے لحاظ سے کاملیت کا دعویٰ نہیں کر سکتی، کیوں کہ رد و قبول کا عمل ہر زبان میں جاری رہتا ہے۔

برصغیر کے دیگر ہمسایہ زبانوں میں سے پشتو ایک ایسی زبان ہے جو پاکستان اور افغانستان کے پشتون علاقوں میں واضح اکثریت میں بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ اس کا شمار قدیم آریائی زبانوں میں کیا جاتا ہے جس کے بولنے والوں کی تاریخی قدامت پانچ ہزار سال پرانی بتائی جاتی ہے۔ لیکن ستم ظریفی یہ ہے کہ اس کے اصلاح املا، وضع حروف اور موجودہ رسم الخط پر ہمہ گیر کام دسویں صدی ہجری میں پشتونوں کے ایک مشہور صوفی بزرگ شخصیت بایزید روشان کے ہاتھوں ہوئی تھی۔ پشتو کی اوّلین (دستیاب مکمل کتاب) جسے بایزید روشنان نے تصنیف کیا، کے ابتدائی صفحات پر آپ نے پشتو حروف کے حوالے سے ایک رسالہ بھی پیش کیا ہے، جس میں پشتو حروف تہجی کی ساخت اور ان کی ادائیگی پر بحث کی گئی ہے۔ اس لیے بایزید روشان ہی وہ اولین شخصیت ہیں جنھوں نے باقاعدہ طور پر پشتو میں عربی رسم الخط کے تحت اپنے افکار کو فروغ دیا۔ جس پر بعد میں خوشحال بابا نے مزید کئی اضافے کیے۔ خوشحال بابا (جنھیں پشتونوں اور پشتو زبان و ادب کا عظیم محسن مانا جاتا ہے) نے پوری تن دہی اور جذبہ حب الوطنی کے تحت پشتو زبان و ادب کو دیگر زبانوں کے ہم پلہ قرار دینے میں قابل تحسین کردار ادا کیا، آپ کا زمانہ پشتو زبان و ادب کے عروج کا زمانہ تھا جس میں آپ نے پشتو ادب میں

ہر طرح کے نت نئے تجربات کیے۔

پشتو زبان و ادب کے ان دو نام ور شخصیات نے پشتو رسم الخط کو جس طرز پر استوار کھا اس سے قوی امکان پایا جاتا تھا کہ آئندہ زمانے میں پشتو کو ایک ہمہ گیر ترقی نصیب ہو گی لیکن ایسا اس لیے نہ ہو سکا کیوں کہ ان کے پیروکار اس طرح وقت اور حالات کی نزاکتوں کا ادراک نہ کر کے، جس طرح کہ ان کے پیش روؤں نے احساس کیا تھا۔ چنانچہ انیسویں صدی عیسوی میں پشتو ادب میں جو خلا کی سی کیفیت محسوس کی جاتی ہے اس کی بنیادی وجہ بھی یہی تھی لیکن بہ حیثیت مجموعی انیسویں صدی عیسوی کی آخری دہائی اور بیسویں صدی عیسوی کے اوائل کو پشتو زبان و ادب کا احیا کا زمانہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ پشتو زبان و ادب کی احیا کے پس پشت محرکات میں سے انگریزوں کی ہندوستان میں آمد، ان کا ہندوستان کے طول و عرض کو اپنے تصرف میں لانا اور مختلف ریاستی امور کی انجام دہی کے لیے انھوں نے جب مقامی زبانوں کی طرف رجوع کرنا چاہا۔ اس طرح انھوں نے ہندوستان کی دیگر زبانوں کی طرح پشتو زبان کی طرف بھی رجوع کیا، چنانچہ یہی وہ زمانہ ہے جس میں پشتو زبان و ادب مغرب کے جدید طرز تحقیق اور دیگر ادبی اصناف سے آشنا ہوتی ہے۔ اس زمانے میں جہاں پشتون علما اپنی زبان و ادب کی خدمت کے لیے کمر بستہ ہو جاتے ہیں تو ساتھ ہی مستشرقین کا ایک ایسا گروہ بھی اس عمل میں شریک نظر آتا ہے جو اپنے مختلف مقاصد کے حصول کے سلسلے میں یہاں آئے تھے، قطع نظر اس کے کہ ان کے مقاصد کچھ اور تھے لیکن ہندوستان کی مختلف زبانوں میں ان کی خدمات کو کسی طور جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ ہمارے پشتو زبان و ادب میں بھی انھی کی بدولت جدید خطوط پر پشتو لغت، گرائمر، تاریخ، پشتو زبان کی لسانی ساخت اور دیگر زبانوں سے اس کا تقابلی جائزہ اور پشتو کے کئی کلاسیکی شعرا کے دواوین مرتب ہوئے۔

پشتو زبان کی تحریر و تقریر میں یکسانیت، سادگی، جامعیت اور روانی تب ہی سے شروع ہو جاتی ہیں، جب اس زبان کے روزمرہ کو اہمیت ملنے لگی لیکن پشتو میں اب تک جو بھی ترقی ہوئی اسے حرف آخر نہیں کہا جا سکتا۔ کیوں کہ پشتو زبان کو اب بھی املا اور رسم الخط کے میدان میں بہت سی بنیادی اصلاحات کی ضرورت ہے۔

پشتو زبان کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنی خود پشتون قوم کی تاریخ۔ پشتون یا افغان قوم کا سلسلۂ نسب ایک حوالے سے بنی اسرائیل کے ان قبائل سے جوڑا جاتا ہے جن کو بخت نصر کے زمانے میں مصر سے جلاوطن کیا گیا تھا جب کہ بعض اسے آریائی اقوام کی ہند آریائی شاخ مانتے ہیں۔ اسلام سے قبل کی تاریخ میں اس قوم کے بارے میں کئی تاریخی شواہد دستیاب ہیں، لیکن ان کی زبان کی تحریری تاریخی حیثیت کے بابت کئی الجھنیں پائی جاتی ہیں۔ تاریخ میں اس قوم کا المیہ یہ رہا ہے کہ قوم تو موجود رہی اور ان کی اپنی مخصوص الگ زبان بھی بولی جاتی رہی، لیکن قبل از اسلام اس قوم کی زبان اور رسم الخط کے بارے میں ایسا کوئی ثبوت میسر نہیں، جس کی بنیاد

پر یہ کہا جا سکے کہ اسلام سے پہلے اس قوم کے افراد اپنے خیالات اور احساسات کی ترسیل کے لیے کون سا رسم الخط استعمال کرتے تھے۔

بیشتر ماہرین لسانیات تو ان کا لسانی تعلق سنسکرت سے جوڑتے ہیں، جب کہ بعض اسے ایرانی زبان کی ایک شاخ مانتے ہیں۔ خود پشتو زبان وادب کی تاریخ میں اس زبان کی قدامت کے بارے میں بہت کچھ لکھا گیا ہے لیکن طوالت سے بچنے کے لیے تکرار سے اجتناب کیا جارہا ہے، البتہ اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ اس زبان کی تاحال دستیاب پہلی مکمل تحریر دسویں صدی ہجری میں بایزید روشان (۹۲۵ھ۔۹۸۰ھ) جنھیں بایزید انصاری کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے، معرض وجود میں لائے۔ بایزید روشان وہ شخصیت ہیں جنھوں نے سلسلۂ تصوف میں اپنے ایک الگ طرز طریقت کو بھی رواج دیا۔ جسے روشانیہ سلسلۂ طریقت کہا جاتا ہے۔ آپ نے پہلی بار اپنی کتاب ''خیر البیان'' میں پشتو حروف پر تفصیل سے بحث کی ہے جس میں نہ صرف پشتو حروف تہجی کی اصلاح کی کوششیں کیں بلکہ کئی طرح کے تحریری اضافے بھی کیے۔

یہ بات ثابت شدہ ہے کہ پشتو قدیم آریائی زبانوں میں سے ایک ہے۔ مؤرخین اس زبان کے بولنے والوں کا تاریخی اور تہذیبی رشتہ کئی شکلوں میں بیان کرتے ہیں۔ کہیں ان کے آثار گندھارا تہذیب اور بدھ مت سے جوڑتے ہیں تو کہیں ان کا سلسلہ زرتشت اور اوستا سے باندھتے ہیں، جب کہ قدیم ''ویدا'' میں جہاں پشتون قبیلے کا ذکر پایا جاتا ہے وہاں ویدا اور پشتو کے عوامی گیتوں کے طرز بیان میں کافی حد تک مماثلت بھی پائی جاتی ہے۔ لیکن تاریخ کے ان تمام دعوؤں اور کئی زبانوں سے اس کی لسانی مماثلتوں کے باوجود تاحال ایسا ممکن نہیں ہوسکا ہے کہ اس کے اپنے منفرد قدیم طرز تحریر کو سامنے لایا جاسکے۔ لہٰذا یہ کہنا کہ اسلام سے قبل پشتون اپنے اظہار خیال کی ترسیل کے لیے کس قسم کے ذرائع اختیار کرتے تھے تاحال حل طلب ہے۔

بہ حیثیت قوم پشتونوں کی تاریخی قدامت مسلّم رہی ہے کئی تاریخیں شواہد اس پر پیش کیے جاسکتے ہیں، اس قوم کے تاریخی پس منظر اور قدامت پر کہیں کوئی بھی ابہام نہیں پایا جاتا، اس طرح ان کی زبان بھی اپنی تاریخی تناظر میں اس قوم کے ساتھ رہی ہے، لیکن اس زبان کے متعلق اٹھنے والے سوالات کہ اسلام سے قبل ان کی تحریر کیا تھی؟ اور بعد از اسلام انھوں نے کب، کیسے اور کہاں سے عربی رسم الخط کو اختیار کیا؟ ان سوالات کی کھوج لگانے کے لیے اگر پشتو زبان کے بعد از اسلام کی ان اوّلین تحریروں کو ٹٹولا جائے، جہاں سے اس میں عربی رسم الخط کا اوّلین رواج بتایا جاتا ہے۔ تو اس سلسلے میں پشتو ادب کا ایک وسیع حلقہ اس بات کا قائل ہے کہ پشتو زبان میں عربی رسم الخط کا اجرا چوتھی صدی ہجری میں محمود غزنوی کے زمانے سے ہوا ہے اس بارے میں جس روایت کو بہ طور سند پیش کیا جاتا ہے وہ قاضی خیر اللہ کی لغات ''خیر اللغات'' کے دیباچے سے اخذ شدہ ایک

روایت ہے جسے ہر کوئی بنا تصدیق کے نقل کیے جا رہا ہے حالانکہ یہ روایت بہ ذات خود مستند نہیں۔ لیکن اس کے علاوہ کوئی اور شہادت میسّر بھی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس روایت کو پشتو کے کئی نامی گرامی ادبا نے بھی ویسے ہی قبول کیا ہے۔ نام ور ادیب علامہ عبدالشکور شاد مرحوم نے بھی پشتو میں عربی رسم الخط کے اجرا کے زمانے پر اسی روایت کا سہارا لیا ہے، ''پشتو زبان کی تاریخ کے ابتدائی احوال قطعی نامعلوم ہیں، لیکن اتنا واضح ہے کہ اسلام سے قبل اس زبان پر اپنی حروف تہجی نہیں تھے اور یہ صرف بول چال کی زبان تھی۔ سلطان محمود غزنوی کے زمانے میں ان کے وزیر احمد بن حسن میمندی نے قاضی سیف اللہ کو پشتو کے الف ب (الف با) بنانے کی ترغیب دی تھی۔ قاضی نے عربی، فارسی، پنجابی اور سندھی زبانوں کے الف با کی مدد سے پشتو زبانوں کی آوازوں کے لیے حروف وضع کیے۔ اس طرح پہلی بار پشتو کے حروف معرض وجود میں آئے۔'' ۸

اسی روایت کو من وعن جناب عبدالکریم بریالی نے اپنی کتاب ''دپشتو لیک دود'' (پشتو رسم الخط) میں یوں نقل کیا ہے'' سلطان محمود غزنوی کے زمانے میں اس کے ایک وزیر حسن میمندی نے قاضی سیف اللہ کو اس کام پر مامور کیا، کہ پشتو کے لیے حروف تہجی تشکیل کریں۔ چنانچہ قاضی سیف اللہ نے عربی، فارسی، پنجابی اور سندھی زبان کے حروف کی وساطت سے پشتو زبان کی خاص آوازوں کے لیے حروف وضع کیے، اس طرح پہلی بار پشتو حروف منظر عام پر آئے۔'' ۹

چوں کہ پشتو زبان وادب کی تاریخ میں اسی زمانے سے عربی طرز پر پشتو رسم الخط کے اجراء کو کئی حوالوں سے معتبر مانا جاتا ہے لہٰذا پشتو ادب میں اب یہی روایت قبولیت عام کا درجہ حاصل کر چکی ہیں لیکن جہاں تک ٹھوس اور داخلی شہادت کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں پشتو زبان کی اوّلین تحاریر جو اپنے تمام تر سیاق و سباق کے ساتھ میسّر ہیں وہ پشتو کی پہلی نثری کتاب ''خیرالبیان'' ہے ، لہٰذا ہمیں ماننا پڑے گا کہ تا حال خیرالبیان ہی پشتو کی قدیم ترین دستیاب مکمل کتاب ہے، جس میں عربی طرز پر پشتو کے حروف تہجی مکمل شکل میں پائے جاتے ہیں۔ پیر روشان نے اپنی کتاب ''خیرالبیان'' میں جہاں مذہب اور تصوف کے بیت سے موضوعات پر بحث کی ہے تو ساتھ ہی میں اس کتاب کے ابتدائی صفحات پر آپ نے پشتو رسم الخط کے بارے میں ایک مختصر سا رسالہ بھی تحریر کیا جس میں پشتو کے مختلف حروف کی ادائیگی اور طرز تحریر پر بحث کی گئی ہے۔

''خیرالبیان'' (جسے پشتو اکیڈمی پشاور یونیورسٹی نے شائع کیا، اس کا مقدمہ مشہور عالم جناب حافظ عبدالقدوس قاسمی نے تحریر کیا ہے)، میں بایزید روشان نے جن حروف کو استعمال کیا ہے، حافظ عبدالقدوس قاسمی نے اپنے دیباچے میں یوں پیش کیے ہیں: ''اب پ ت ٹ ث ج چ ځ ح خ د ډ (دال کے نیچے نقطہ) ذ د (دال کے درمیان میں نقطہ) ر ڑ ژ ښ (س کے نیچے تین نقطے) س ش ښ ص ض ط ظ ع غ ف ق ک ګ ل

م ن وه لای۔''[۱۰]

اس طرح پشتو میں بہ شمول عربی حروف یہ کل چالیس حروف بنتے ہیں۔ پشتو کے بعض مخصوص حروف جن کی عربی تلفظ پر پشتو میں ادائیگی ممکن نہیں تھی، کے لیے بایزید روشان نے الگ سے حروف، عربی طرز میں سے وضع کیے ہیں۔ جس کی تائید آپ کی ایک مرید دولت لوانتری (لوہانی) نے بھی اپنے شعر میں کی ہے۔

افغانی لفظ مشکل و و لوست بنکوی نه شو

ورته و شو کننده دریالس حرفونه

ترجمہ: افغانی لفظ لکھنے اور پڑھنے میں مشکل تھے

[پیر روشان] کو تیرہ حروف [خاص پشتو کے] عطا کیے گئے۔

پیر روشان کے استعمال کردہ پشتو حروف تہجی جس طرح ''خیر البیان'' میں دیے گئے ہیں، ذیل کے اقتباس میں دیکھ سکتے ہیں۔

''ا ب با با به، پ پا پا په ، ت تا تا ته، ټ ټا ټا ټه ، ث ثا ثا ثه، ج جا جا جه ، چ چا چا چه، څ څا څا څه ، ح حا حا حه ، خ خا خا خه، د دا دا ده ،ډ ډا ډا ډ، د دا دا ده (دال کے نیچے نقطہ لگایا جاتا ہے موجودہ رسم الخط میں اس کو (ځ) زیم سے لکھتے ہیں)۔ د دا دا ده (دال کے درمیان میں نقطہ لگایا جاتا ہے موجودہ رسم الخط میں اس کو ژ سے لکھتے ہیں)۔ ر را را ره ، ړ ړا ړا راه ، ز زا زا زه، ړ ړا ړا ړه، (خیر البیان میں اس کو ''ژ'' کے لیے استعمال کیا جاتا ہے) ښ ښا ښا ښه (پیر روشان نے سین کے نیچے تین نقطے لگانے سے اس زمانے کے نستعلیق رسم الخط کی پیروی کی ہے)۔ ش شا شا شه ، س سا سا سه ،ښ ښا ښا ښه ص صا صا صه ، ض ضا ضا ضه، ط ، ظ ، ع عا، غ غا، ف فا، ق قا، ک کا کا که ، ګ ګا ګا ګه ،ګ ګا ګا ګه ، ل لا لا له ، م ما ما مه ، ن نا نا نه ، ڼ ڼا ڼا ڼه، و وا وا وه، ه ها ها هه، ه ، ی''[۱۱]

بایزید روشان نے ان حروف کو جس طرح وضع کیا ہے ان میں سے الف کو آپ نے ایک دفعہ، ش اور ش (خین) تک ہر حرف چار چار مرتبہ تحریر کیا ہے لیکن اس کے بعد آپ نے ص۔ ض۔ ط اور ظ کو صرف ایک دفعہ پھر ع غ، ف، ق کو دو دفعہ ک کو چار مرتبہ، جب کہ گ کو آپ نے ایک ہی طرز سے دو دفعہ (چار چار کے حساب سے) لکھا ہے۔ بایزید روشان کی اس طرح چار چار کے حساب سے اکثر حروف کو وضع کرنے کے بارے میں پشتو کے ماہرین لسانیات تا حال آپ کی اس منطق کو سمجھنے سے قاصر ہیں، اسی طرح حروف کو چار بار یا دو، دو کی گروہ میں اور بعض اوقات ان گلیوں سے ہٹ کر بعض حروف کو بالکل الگ تھلگ لکھنا ایک ایسی منطق

ہے جسے آپ ہی بہتر سمجھتے تھے، اس بارے میں یہ بھی کہا جارہا ہے کہ چوں کہ آپ کا ابتدائی زمانہ ہند کے شہر جالندھر میں گزرا، اس لیے ہندی اور سنسکرت کے اثرات کو پشتو میں لے آئے، پیر روشان کے اس منفر طرز ادا کو پشتو کے نام ور ادیب اور محقق علامہ رشاد نے یوں واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔

''میرے خیال میں یہ حروف لاطینی میں اس طرح واضح کیا جاسکتا ہے:

B	Ba	Ba	Be
P	Pa	Pa	Pe
T	Ta	Ta	Te

(اس تیسرے Ba, Pa, Ta پر زبر آئے گا جب کہ چوتھے Be. Pe, Te کے e کو الٹا لکھا جائے گا) ان میں سے ہر پہلا حروف ایک ساکن صحیح آواز Consonant ہے، جس کے تلفظ میں واول Vowel کی ضرورت نہیں، اس کے ساتھ سانس نہیں لی جاتی۔ اس لیے عرب ان کو مصمت بولتے ہیں۔ بعد کی تین شکلیں واول کے محتاج ہیں یعنی متحرک حروف ہیں اور ان کے ساتھ سانس لی جاتی ہے۔۔۔ان شکلوں میں دوسرے پر زبر، تیسرا الف (ا) اور چوتھی شکل زور کی (ء) سے ادا کیے جاتے ہیں۔'' [۱۲]

بایزید روشان نے جو کل اکتالیس حروف استعمال کیے ہیں ان میں سے اٹھائیس عربی کے۔ پشتو فارسی کے چار مشترک حروف (پ۔ چ۔ ژ۔ ش۔ ں) ہندی اور پشتو کے تین مشترک حروف (ٹ، ڈ اور ڑ) اور پشتو کے اپنے مخصوص پانچ حروف (ځ۔ څ۔ ږ۔ ښ۔ ڼ) شامل ہیں۔ یوں اس میں ہمسایہ زبانوں کے بیش تر حروف تہجی سے مماثلت پائی جاتی ہیں۔ ان میں زیادہ حروف، حروف صحیح اور اردو کی طرح چار حروف علت ہیں، جب کہ ہندی کی طرح ایک حرف صحیح کو تا حال واضح نہیں کیا جاسکا ہے۔

عربی کی حروف تہجی کل ۲۸ ہیں لیکن عجمی زبانوں میں عربی کی ان حروف کے علاوہ جو زائد حروف پائے جاتے ہیں وہ اس لیے کہ جب اوائل اسلام کے زمانے میں عربوں نے اپنی فتوحات کا دائرہ ایران اور وسطی ایشیا تک بڑھانا چاہا، تو ان مشرقی اقوام کی زبانوں میں سے بعض اصوات ایسے تھے جن کی عربی حروف پر ادائیگی ناممکن تھی چنانچہ اہل مشرق نے اپنی زبانوں میں سے ان اصوات کے لیے چند ایسے حروف وضع کیے جن کے اصوات عربی میں نہیں پائے جاتے تھے، اس سلسلے میں سب سے پہلے فارسی نے عربی حروف کی طرز پر چار حروف (پ۔ چ۔ ژ اور گ) وضع کیے، یہی وہ حروف ہیں جن کے اصوات پشتو اور فارسی میں مشترک رہے ہیں۔ اس طرح فارسی نے چار مخصوص حروف کے ساتھ کل ۳۲ حروف بنا لی۔ واو معروف، واو مجہول اور ی معروف و مجہول کے اضافے اس کے علاوہ ہیں۔ لیکن پشتو میں فارسی کے مذکورہ چار حروف کو اپنانے کے علاوہ

باقی مخصوص اصوات کے لیے جو حروف وضع کیے گئے ہیں وہ کچھ یوں ہیں:

''پشتو زبان کے لیے جو الفبا مقرر کیے جارہے تھے، [ان میں] آٹھ حروف (ټ۔ ځ۔ څ، ډ۔ ړ۔ ږ۔ ښ۔ ڼ) اضافے کیے گئے، اس لیے کہ یہ آٹھ حروف فارسی اور عربی میں نہیں تھے اسی طرح پشتو الفبا کی تعداد چالیس ہوگئی اور عربی سے اس کے بارہ حروف زیادہ ہوگئے۔''[۱۳]

چوں کہ فارسی میں پشتو کے مذکورہ بالا الفاظ کے اصوات نہیں پائے جاتے تھے اس لیے پشتو کو اپنی مخصوص اصوات کی ادائیگی کے لیے فارسی کے ان حروف کے علاوہ (جو ان کے فارسی سے مشترک رہے ہیں) مزید حروف وضع کرنے کی ضرورت آن پڑی، اس لیے پشتو کو عربی کے ۲۸ اور فارسی سے چار مشترک حروف پر آٹھ مزید حروف اپنے لیے وضع کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اس طرح پشتو میں شامل اضافی حروف کی تعداد بارہ اور کل اکتالیس حروف بنتے ہیں۔ یہ تمام مفرد حروف ہیں اس میں واؤ ''ؤ'' اور ''ی'' کی مختلف حالتوں کو شمار نہیں کیا گیا ہے اور نہ ہی اس میں ہندی کے مرکب حروف شامل ہیں اور اگر ان کو بھی شامل کیا جائے تو پشتو حروف تہجی کی تعداد کہیں زیادہ بنتی ہے۔

پشتو کے نامور ماہر لسانیات اور قواعد نویس جناب عظیم شاہ خیال بخاری نے بھی پشتو حروف تہجی کی تعداد اکتالیس بتائی ہے ان میں سے ۳۰ وہ ہیں جو عربی اور فارسی میں یکساں مروج ہیں [اب ت ث ج ح خ د ذ ر ز س ش ص ض ط ظ ع غ ف ق ک ل م ن و ہ ء ی ے] چار وہ حروف جو پشتو اور فارسی میں مشترک ہیں [پ چ ژ اور گ] اور تین وہ جو ہندی اور پشتو میں مشترک رہے ہیں۔ یعنی [ٹ۔ ڈ اور ڑ]۔

لیکن ڈاکٹر خالد خان خٹک نے اپنی مشہور کتاب ''پشتو، اردو اور سندھی کے لسانی روابط'' میں پشتو حروف تہجی کی تعداد ۴۳ بتائی ہے۔ اب پ ت ټ ث ج ځ چ څ ح خ د ډ ذ ر ړ ز ږ ژ س ش ښ ص ض ط ظ ع غ ف ق ک ګ ل م ن ڼ و ہ ء ی ې۔''[۱۴]

(لیکن جناب خالد خان خٹک کے دیے ہوئے حروف تعداد میں ۴۳ کی بجائے ۴۲ بنتے ہیں)۔

اعلیٰ طور پر پشتو زبان دو اہم بڑی لہجوں میں تقسیم ہے ان میں سے ایک شمالی یا یوسف زئی لہجہ، جو کہ ایک وسیع خطے میں بولا اور سمجھا جاتا ہے جس کا حلقہ اثر کچھ یوں ہے: افغانستان کے انتہائی شمالی شہر قندوز، بغلان، شمالی، کابل، ننگرہار، غزنی پکتیا اور پاکستان میں پشتونخواہ کا بالائی حصہ شامل ہے۔ دوسرا لہجہ خٹک کرلانی ہے جسے خٹک قندھاری لہجہ بھی کہتے ہیں، یہ پشتونخواہ کے علاقہ خٹک کے حدود سے شروع ہو کر وسطی پشتونخواہ (وزیرستان)، جنوبی پشتونخواہ اور افغانستان کے جنوب غرب میں قندھار، زابل، ارزگان، بادغیس، بلمند سے ہرات تک بولی جاتی ہے۔ ان دو لہجوں میں خاص فرق چند مخصوص حروف کی بنیاد پر قائم ہے جن کو مختلف گروہ

میں یوں بانٹ سکتے ہیں، جیسے: ج ځ، چ ،څ ، ښ (خین) ښ ، ږ اور ږ (گے)۔ یہی وہ بنیادی حروف ہیں جن کی اساس پر پشتو کا دولہجوی نظام قائم ہے اس کے علاوہ بھی چند ایک جگہ پر لہجوں میں معمولی نوعیت کے اختلافات ہوں گے لیکن وہ اتنے اہم نہیں۔

پشتو کے ان حروف میں سے ج وہ حرف ہے جو فارسی، اردو اور دیگر زبانوں میں بھی یکساں مروج ہے لیکن اس ج کے ساتھ پشتو میں جو خاص حرف ځ (زیم یعنی ح کے اوپر ہمزہ لگانے سے) استعمال کیا جاتا ہے وہ پشتو میں بعض موقعوں پر ج کے متبادل کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے، جیسے جنگل کو ځنگل (زنگل)، زنجیر کو زنځیر (زنزیر)، جولی کو ځولی (زولئی)، جال کو ځال (زال) وغیرہ، اس طرح ''چ'' جو کہ فارسی اور اردو میں مشترک ہے پشتو میں اس کا استعمال کئی طرح سے کیا جاتا ہے۔ ایک وہ جو دوسری زبانوں کی طرز پر ہے دوسرا وہ جو پشتو میں منفرد حیثیت رکھتا ہے۔ اس کو حروف ''څ'' (جسے سیم کہتے ہیں) سے لکھا جاتا ہے۔ پشتو میں حرف چ کی ادائیگی تمام لودھی قبائل میں یکساں ہے۔ جب کہ څ (سیم) کی ادائیگی باقی پورے پشتو نخواہ میں ایک جیسی ہے۔ اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ پشتو میں حرف چ اور ځ اصلی ہے نہ کہ یہ کسی اور زبان سے مستعار لیے گئے ہیں یا یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ پشتو اپنی آریائی زبانوں کے حروف تہجی میں سب کے ساتھ برابر کی شریک ہے۔ پشتو کا تیسرا منفرد اور مخصوص حرف ''ژ'' اور ''ږ'' (گے) یعنی ر کے اوپر اور نیچے ایک ایک نقطہ ڈالنے سے) ہے یہاں بھی تقریباً وہی فرق ہے جس طرح ''ج'' اور ''ځ'' کا لیکن اس فرق کی بنیاد ذرا وسیع ہے اس لیے کہ ان حروف کی اساس پر پشتو دو نمایاں لہجوں میں تقسیم ہے۔ ان میں سے حرف ژ فارسی میں بھی مستعمل ہے لیکن پشتو کی یہ ایک اضافی خصوصیت ہے کہ اس میں ژ کے ساتھ حرف ''ږ'' (گے) بھی استعمال کی جاتی ہے، چنانچہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ پشتو نے اس حرف کو فارسی سے بہ لحاظ صوت اخذ نہیں کیا ہے بلکہ یہ پشتو میں پہلے سے موجود تھا۔ البتہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اہل فارس نے صوت چ کے لیے عربی الفبا میں سے جو حرف چ متعارف کرایا، وہ انھیں کی اختراع ہے تاہم پشتو نے اس چ سے مماثل دوسری صوت ''څ (ح کے اوپر تین نقطے لگانے سے)'' جو حروف ''چ'' سے الگ صوت رکھتی ہے اور چ سے زیادہ قریب ہے، کے لیے اسی حرف ''څ'' کو بنایا اس میں حرف چ کی بہ نسبت حرف (ح) کے اوپر تین نقطے دیے جاتے ہیں۔ یوں پشتو اصوات اور حروف کی ادائیگی ہندی (سنسکرت۹ سے انتہائی مشابہت رکھتی ہے۔ پشتو زبان کی ان دو لہجوں میں چوتھا حرف ''ش'' اور ''ښ'' (بہ ادائیگی خین) بھی عام مستعمل ہے، پشتو کی لہجوی ساخت میں کل چار ایسے حروف استعمال ہوتے ہیں جو پشتو میں لہجوی تغیر کے سبب بنے ہیں، ان حروف میں سے ژ اور ش خٹک کرلانی یا خٹک قندھاری بولی کے نمایاں وصف میں سے ہیں جب کہ ''ږ'' (گے) ''ښ'' (خین) یوسف زئی لہجے کے لیے مختص ہیں۔

پشتو رسم الخط کے اکثر حروف عربی، فارسی اور اردو کی طرز پر لکھے جاتے ہیں اور ان کی صوتی ادائیگی بھی تقریباً اردو، فارسی اور عربی ہی کی طرز پر ہیں البتہ پشتو میں ان حروف پر جو علامات دی جاتی ہیں ان میں قدرے اختلاف ہے۔ جیسے: حرف ټ (ٹ)، ان میں حرف ت کے نیچے چھوٹا سا حلقہ بنا دیا جاتا ہے، ډ (ڈال) حرف دال کے نیچے چھوٹا سا حلقہ دیا جاتا ہے، ړ (ڑ) حرف ر کے نیچے چھوٹا سا حلقہ بنایا جاتا ہے، ګ (گ) پشتو کی حرف گ کے لیے ک اوپر والے کش پر نیچے سے ایک حلقہ بنایا جاتا ہے، ڼ (نڑ) جہاں ن (نون حلقی) اور ڑ کی ایک ساتھ صوت نکل آئے اور حرف ''ی'' کی مختلف صورتیں۔ یہی وہ حروف ہیں جو پشتو کے مذکورہ بالا مخصوص حروف کے علاوہ ہیں (جن کی تفصیل اوپر دی جا چکی ہے) ان مخصوص حروف میں سے آخری پشتو کی ''ڼ'' جسے (نڑ) کی طرح ادا کرتے ہیں، کے لیے پشتو میں نون غنہ اور اس کے نیچے ایک حلقہ سا بنایا جاتا ہے، اردو، سندھی، سرائیکی، پنجابی، دیونا گری اور گورمکھی میں بھی اس کی آوازیں پائی جاتی ہیں۔ یہ پشتو کا ایک منفرد حرف ہے جسے بعض مفرد اور بعض اسے ن اور ڑ کا مرکب ماتے ہیں لیکن اس کا مرکب ماننا درست نہیں۔

پشتو کے تین حروف ٹ ـ ڈ اور ڑ کی آوازیں ہندی کے علاوہ سندھی میں بھی پائی جاتی ہیں البتہ سندھی میں ان کے لیے جو حرف وضع کیے۔ گئے ہیں وہ ٽ (ٹ کے لیے ث کے اوپری تین نقطوں کو الٹا کرنے سے) ڊ (ڈ کے لیے د کے نیچے ایک نقطہ)۔ ڙ (ڑ کے لیے ر کے اوپر چار نقطے) کے ساتھ اضافی نقطے لگا کر بنائے جاتے ہیں، لیکن ان کی صوت اسی طرح ہی ہے جس طرح پشتو اور اردو میں ہیں، پشتو کے دیگر مخصوص حروف یعنی ځ (زیم)، ږ (گے) اور ښ (خین) کا استعمال شاید ہی دوسری زبانوں میں رہا ہو۔

پشتو میں نون غنہ اردو کی طرح عام مستعمل نہیں ہے اور نہ ہی یہ کسی لفظ کے آخر میں لکھا جاتا ہے البتہ نون حلقی کا استعمال اس طرح سے ہے کہ اگر یہ کسی لفظ کے درمیان میں آجائے تو اس کو نون ہی کی طرح لکھا جائے گا۔ نون، نون حلقی اور نون غنہ کے استعمال اور پہچان میں مشکل پیش نہیں آتی لیکن ښ کے استعمال میں اکثر اس پر نون ہی کا گمان کیا جاتا ہے جو کہ غلط ہے، ان میں سے نون اور نون غنہ سے تو ہر کوئی واقف ہے جب کہ نون حلقی کے استعمال اور پہچان میں اکثر ناواقف ہیں پشتو میں نون غنہ کا تصور نہیں ہے بلکہ نون اور نون حلقی ہی کو استعمال میں لایا جاتا ہے نون حلقی ''مخرج کے لحاظ سے حلقی ہے یہ لفظ کے صرف درمیان میں آتا ہے۔ اس کی ابتدا یا آخر میں نہیں بولا جاتا۔ یہ صرف حلقی آوازوں ک کھ، گ گھ سے پہلے بولا جاتا ہے۔ یہ ہمیشہ ساکن رہتا ہے۔ اس کا وزن نونَ بالا علان ہی کے برابر ہوتا ہے جیسے جنگل، (فعلن)، رنگ = (فاع)''[15]

پشتو اور بعض دیگر علاقائی زبانوں میں جو تیرہ ہم صوت حروف استعمال کیے جاتے ہیں بعض ماہرین لسانیات ان میں سے تین حروت۔ ز اور س کے علاوہ جن دس حروف کے استعمال کو جو غیر ضروری اضافہ سمجھتے

ہیں وہ کسی بھی حوالے سے ہماری زبانوں کے لیے سود مند نہیں، لہٰذا ان تیرہ حروف کو جس طرح اردو میں قائم رکھنے پر اکتفا کیا گیا ہے پشتو میں بھی دخیل الفاظ کے ساتھ آنے والے ان حروف کو اپنی اصلی شکل میں قائم رکھنے پر اتفاق کیا گیا ہے، اس کا فائدہ یہ ہے کہ پشتو میں دخیل الفاظ کی پہچان اور ان کی معنی کی تہہ تک پہنچنے میں ایک طرح آسانی رہتی ہے اس کے علاوہ قرآن و احادیث کی تشریح و تفسیر کرتے وقت بھی ہمیں اس کی اشد ضرورت ہوتی ہے، ہم مخرج اور ہم صوت حروف کا مسئلہ صرف ہماری زبانوں میں نہیں بلکہ دنیا کی بہت سے زبانوں میں ہے، جیسے انگریزی، لاطینی، روسی وغیرہ۔

پشتو اور اس کے ہمسایہ زبانوں کے عربی سے جن تیرہ حروف میں صوتی ہم آہنگی ہے۔ ان میں صوتی اشتراک اس قدر باہم مشابہت رکھتا ہے کہ ان کی ادائیگی میں اکثر اوقات اچھے اچھے قارئین بھی بھٹک جاتے ہیں۔ ان تیرہ حروف کی ترتیب کچھ یوں ہیں: ا۔ع، ت۔ط، ث۔س۔ص، ح۔ہ اور ذ۔ز۔ض، ظ۔ ان ہم صوت حروف پر ہر زبان میں بحثیں ہوئی ہیں اور ان کے بارے میں اب ایک واضح لائحہ عمل بھی دیکھنے کو ملتا ہے۔ اس بارے میں جو کلیہ مرتب کیا جا چکا ہے وہ یہ کہ ان حروف کو اسی طرح ہی جاری رہنا چاہیے جیسا کہ عربی میں مروج ہے، ان الفاظ کو ہماری زبانوں میں جاری رہنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس سے دخیل الفاظ کے متاثر ہونے کا اندیشہ تھا۔ لہٰذا عربی اور عجمی زبانوں کے ملاپ سے جو ہم صوت حروف وجود میں آچکے ہیں ان میں تخفیف کرنا یا ان میں سے بعض کو نکال دینا اور بعض کو رکھنا کسی طور بھی مناسب نہیں۔

اس طرح پشتو زبان کے حروف تہجی اور املا کے بارے میں اب تک جتنے بھی سیمینارز، کانفرنسیں یا جرگے منعقد ہو چکے ہیں ان میں ہمیشہ سے اسی بات پر اکتفا کیا گیا ہے کہ پشتو میں دخیل الفاظ اور تمام ہم صوت حروف کو اپنی اصلی حالت میں برقرار رکھا جائے، کیوں کہ اب یہ نہ صرف ہماری زبان کے حروف تہجی کا حصہ بن گئے ہیں بلکہ اس سے الفاظ کا ایک وسیع ذخیرہ بھی ہماری زبان میں آچکا ہے۔

علّتی آوازیں یعنی (ا۔و۔ی) جو کہ عربی ہی سے مستعار لی گئی ہیں، حروف علّت کے علاوہ اردو میں کئی اعراب بھی استعمال ہوتے ہیں جو کہ بعض حروف کے استعمال میں کافی اہمیت رکھتے ہیں، پشتو میں بھی زیادہ تر یہی تین حروف علت استعمال کیے جاتے ہیں لیکن پشتو کی ایک اور مخصوص علامت جسے زورکی (ء) کہتے ہیں کو بھی حرف علت کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے، اردو اور پشتو کے حروف علّت میں سے حرف ''وٗ'' واو کا استعمال واو معروف، واو مجہول اور واو معدولہ دونوں زبانوں میں یکساں ہے۔ لیکن پشتو کی یائے معروف اردو یائے معروف سے قدرے مختلف ہے (علامتوں کے لحاظ سے) یعنی پشتو میں ''ي'' معروف کے نیچے دو نقطے ساتھ ساتھ دیے جاتے ہیں، یائے ''ے'' مجہول کو یوسف زئی لہجہ میں مذکر کے لیے اسی طرح ہی لکھا جاتا ہے

جب کہ زیر کی آواز کے لیے ''ی'' کے نیچے دو نقطے اوپر نیچے دیے جاتے ہیں، یائے تانیث کے لیے ''ئ'' کے آخری گولائی پر کش دیا جاتا ہے۔ جیسے (ئ)، یائے فعلی کے لیے ''ی'' کے اوپر ہمزہ لگا دیا جاتا ہے جیسے (ئ) اور بغیر کسی نشان کے ''ی'' کو پشتو کے خٹک کرلانی لہجے میں بعض اوقات یائے مجہول کے متبادل کے طور پر بھی استعمال کیا جاتا ہے، لہٰذا پشتو میں (ی) اور (ے) کی تمام صورتیں استعمال اور ادائیگی صوت میں ہمسایہ زبانوں سے مختلف ہیں۔ اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس سے (ی) کے تمام ممکنہ استعمال میں کہیں کوئی دشواری یا ابہام نہیں رہتا۔ لیکن ''ی'' کی ان تمام صورتوں کو پشتو کے حروف تہجی میں ایک ہی بنیادی حرف کے طور پر مانا گیا ہے نہ کہ الگ الگ صورت پر اور اگر ''ی'' کی ان حالتوں کو الگ الگ حرف کے طور پر مانا جائے تو اس سے پشتو حروف تہجی کی تعداد بڑھ جانے کا اندیشہ ہے۔ ی (ی) کی ان تمام شکلوں میں صوتی تغیر بہ لحاظ ادائیگی اور ان پر دیے گئے علامات کی بنیاد پر ہے۔

جہاں تک واو معروف، واو مجہول اور واو معدولہ کا تعلق ہے پشتو میں اس کا استعمال اردو ہی کی طرح ہے البتہ ایک زمانے میں کوشش کی گئی تھی کہ ان کو الگ الگ پہچان دی جا سکے۔ عبدالصمد خان اچکزئی شہید نے اپنے رسم الخط کے مقالے ''پشتو لیک دود'' (پشتو رسم الخط) میں واو اور (ی) کی مختلف حالتوں کو الگ الگ نشانات دینے کی کوشش کی تھی لیکن آپ کی یہ کاوش املا میں کئی دیگر پیچیدگیوں کے باعث شرف قبولیت حاصل نہ کر سکی۔

کلموں کے صحیح تلفظ اور الفاظ کو ایک دوسرے کے ساتھ مربوط کرنے کے لیے جو مخصوص علامات، نشانات یا اشارے وضع کیے گئے ہیں اسے بالعموم اعراب یا حرکات کہتے ہیں، پشتو میں ان اعراب کی تعداد چار ہے۔ ان میں سے تین زبر، زیر اور پیش اردو ہی کی طرح ہیں لیکن پشتو میں جو ایک اضافی علامت استعمال کی جاتی ہے اسے زورکی (ء، ہمزہ سے مطابقت رکھتا ہے) کہا جاتا ہے جیسے زړۀ، وۀ، دہ، هغۀ، هغوئ، دوئ، کوئ وغیرہ۔ بعض اوقات اسے جمع والے الفاظ کے اوپر بھی استعمال کیا جاتا ہے اس بارے میں پشتو کے نامور محقق جناب قلندر مہمند نے یہ رائے عام کرنے کی کوشش کی کہ پشتو کے جن حروف میں زور کا استعمال ہوتا ہے، ان کو ہائے مخلوطہ سے ہی لکھا جائے جیسے زړه، ده، ته، وغیرہ میں۔

قلندر مہمند کی اس رائے میں کافی وزن ہے جس پر اگر گہرائی سے غور کیا جائے اور بنا کسی ذاتی بغض کے، اس کے قابل عمل پہلوؤں کو اپنانے کی کوشش کی جائے تو شاید کئی مسائل حل ہو سکتے ہیں، اس کے علاوہ پشتو میں زبر، زیر اور پیش کا استعمال بھی اردو سے قدرے مختلف ہے جیسے: پشتو میں زیر کی آواز کو اگر طول دیا جائے تو ''کے''، ''تاب'' کا سا لفظ بن جاتا ہے مگر پشتو تلفظ کے مطابق ''ک'' کے زیر کو اگر طول دیا جائے تو ''کی تاب'' کا

لفظ بنتا ہے۔۔۔۔اس طرح پشتو میں پیش (ُ) کی آواز کبھی تو اردو کی طرح استعمال ہوتا ہے جیسے ''گل'' میں ''گ'' کی آواز کو طول دیا جائے تو ''گول'' (واو مجہول) کا سا لفظ بن جاتا ہے مگر ''گناہ'' کے ''گ'' کے پیش کو اگر طول دے کر بولا جائے تو ''گونا'' کا سا لفظ بن جائے گا۔'' [۱۶]

اس کے علاوہ ہمسایہ زبانوں میں جو تین اعراب استعمال ہوتے ہیں وہ جزم یا سکون، تشدید یا سکون و حرکت کا اجتماع اور حرکت کا طول مد (ٓ) ہیں، لیکن پشتو میں ان کا استعمال مخصوص نہیں البتہ اس کی ممانعت بھی نہیں، انھیں زیادہ تر عربی پشتو تراجم، دینی کتب کی ترتیب و ترکیب وغیرہ کے لیے بروے کار لایا جاتا ہے۔

چوں کہ دوسری زبانوں میں ہمزہ الف کے قائم مقام کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے جہاں دو حروف علت اپنی اپنی آواز الگ دیں تو تب ان کے بیچ ہمزہ لگایا جاتا ہے لیکن پشتو میں ہمزہ کا استعمال اردو سے قطعی مختلف ہے، ہمزہ بعض اوقات پشتو کی مخصوص علامت زورکی سے مشابہت رکھتا ہے۔ جہاں پشتو میں دو یاے معروف ایک ساتھ آجاتے ہیں تو ان میں سے پہلے (ی) پر ہمزہ لگانے کو ترجیح دی جاتی ہے، اب چوں کہ پشتو میں زورکی کا استعمال کم رہا ہے اس لیے زیادہ تر اسی ہمزہ ہی سے کام لیا جاتا ہے۔

پشتو میں مد (ٓ) کا استعمال شاید ہی رہا ہو کیوں کہ پشتو رسم الخط کے حوالے سے اب تک جتنے بھی جرگے منعقد ہو چکے ہیں اس میں کہیں بھی اس کے استعمال پر تاکید نہیں کی گئی۔ شد (ّ) بھی پشتو میں بہت کم استعمال کیا جاتا ہے حال آں کہ اس کے استعمال کی اہمیت اپنی جگہ اہم ہے۔

کھڑا زبر، الف مقصورہ اور یٰ مقصورہ کا استعمال پشتو کے ان دخیل الفاظ کے لیے مناسب سمجھا گیا ہے جو عربی زبان سے پشتو میں داخل ہو چکے ہیں لیکن اسے پشتو کے بنیادی یا مخصوص الفاظ میں کہیں کو بھی استعمال نہیں کیا جاتا بلکہ یہ خاص عربی کے مخصوص حروف کے لیے وقف ہیں۔ لہٰذا پشتو میں جہاں دیگر زبانوں خصوصاً عربی کے جو الفاظ کھڑا زبر یا یاے مقصورہ کے ساتھ داخل ہو چکے ہیں ان کو پشتو میں عربی ہی کی طرز پر لکھا جاتا ہے۔

تنوین کا استعمال بھی عربی الفاظ میں کیا جاتا ہے لہٰذا عربی کے ایسے الفاظ جو تنوین کے ساتھ اردو اور پشتو میں رواج پا چکے ہیں، کو پشتو اور اردو میں اسی طرح لکھے جائیں گے جس طرح عربی میں استعمال کیے جاتے ہیں لیکن ایسے الفاظ جو عربی کے نہ ہوں اور ان کی آواز عربی تنوین سے مشابہ ہو، پر تنوین کا استعمال نہیں کیا جائے گا یعنی یہ کلیہ صرف عربی تنوین والے الفاظ کے لیے مختص ہے۔

دیگر حروف میں مماثلتیں: نون، نون غنہ یا نون حلقی کے بعد میں اگر ب کا حرف لگ جائے، تو اس

صورت میں نون غنہ یا نون کا حرف م کی طرح آواز دے گا اردو، فارسی، عربی، پنجابی اور دیگر ہمسایہ زبانوں کی طرح پشتو میں بھی یہی قاعدہ ہے جیسے: انبار کو امبار بولتے ہیں مگر لکھنے میں انبار ہی لکھا جائے گا، اس طرح عنبر، غڑنب (غڑمب) لنبہ (لمبہ) وړ ونبی (وړومبی)، وغیرہ۔

ہائے ملفوظ کا استعمال تمام ہمسایہ زبانوں میں تقریباً یکساں ہے جیسے شاہ کوہ وغیرہ میں، لیکن کسی لفظ کے بیچ میں آنے سے اس کی شکل بدل جاتی ہے اور وہاں شوشے لگا کر اسے ظاہر کیا جاتا ہے اور اگر یہ کسی لفظ کے آخر میں آجائے تو وہاں اپنی اصلی شکل میں ہی لکھی جائے گی، ہائے مختفی یا ایسی (ہ) جسے محسوس تو کیا جا سکے لیکن اس کی صورت واضح نہ ہو، اس کے مقابل کے حرف پر زور (زبر) ہو جو ایک طرح سے اس کے وجود کی نشان دہی کرتا ہے، ایسی (ہ) کا استعمال پشتو میں تانیث والے الفاظ میں کیا جاتا ہے۔ ہائے مخلوطہ (ھ) یا دو چشمی ھ چوں کہ ہندی الاصل الفاظ میں زیادہ استعمال کی جاتی ہے لہٰذا پشتو میں اس کے استعمال کا وہی طریقہ ہے جو ہندی اور اردو کا ہے، اس بارے میں ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان نے ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کی تصریحات کو بنیاد بناتے ہوئے نہایت ہی عالمانہ بحث کی ہے جس میں واو معروف، واو مجہول، واو ماقبل مفتوح، واو مخلوط، واو معدولہ، ''ی'' کی تمام صورتیں اور نون غنہ کی مختلف صورتوں کے علاوہ ہائے ملفوظ، ہائے مخلوط اور ہائے مخفی کو نہایت ہی احسن طریقے سے سمجھا گیا ہے۔

اردو میں ہائے مختفی کے بارے میں یہ جو ایک کلیہ ہے کہ (ہ) جس لفظ کے آخر میں آئے گا جیسے: عربی، فارسی اور اردو لفظوں کو جن کے آخر میں بولی جانے والی (ہ) ہو وہ ہائے مختفی ہی لکھا جائے گا، جیسے اشارہ، اضافہ، نمونہ، ہمیشہ وغیرہ۔۔۔سوائے فارسی کے ہائے مختفی والے لفظوں کے۔ ترکی، ہندی اور انگریزی وغیرہ کے کل (ہ) والے لفظوں کو اردو میں الف ہی لکھا جائے۔ مثلاً خربوزا، حقا، پردا، حلوا وغیرہ۔'' [۱۷]

پشتو میں تمام ایسے الفاظ جن کے آخر میں ہائے مختفی کی صوت ہو کو الف سے نہیں بلکہ ایسے تمام الفاظ ہائے مختفی سے ظاہر کیے جاتے ہیں، اس کے علاوہ پشتو کے ایسے الفاظ جن کے آخر میں (زبر) آ رہا ہو ان کے آخر میں بھی (ہ) لکھا جائے گا، تاہم اسے یائے تانیث کے زمرے میں شمار نہیں کیا جائے گا۔

عربی حرف (ۃ) کا استعمال پشتو میں کئی طرح سے کیا جاتا ہے یعنی اس کو بعض عربی الفاظ میں سے حذف نہیں کیا جا سکتا لیکن بعض موقعوں پر ان دونوں زبانوں میں حرف (ۃ) کی جگہ عمومی حرف (ت) کو ان کے متبادل کے طور پر استعمال کی جاتی ہے جیسے: زکات، حیات، نجات وغیرہ اس طرح الف مقصوری کو لکھتے وقت بعض حالتوں میں کھڑا زبر نہیں دیا جاتا جیسے اعلی، دعوی مرتضی وغیرہ میں۔ اردو میں اس کا استعمال ہر دو طرح سے کیا جاتا ہے چاہے تو اس کو عربی طرز پر استعمال کریں اور اگر نہ بھی لکھا جائے تو بھی پروا نہیں البتہ پشتو

میں اس کے لیے تاحال کوئی جامع قاعدہ مرتب نہیں ہوسکا۔

ہائے مختفی بعض صورتوں میں اگر کسی دوسرے مفرحرف کے ساتھ شامل ہو جیسے: بہ،، پہ، چہ وغیرہ، تو اردو میں اس کے لیے یہ قاعدہ رکھا گیا ہے کہ ایسے حروف اپنے بعد کے حروف سے الگ لکھے جائیں یعنی اس مل کر نہ لکھا جائے، پشتو میں بھی یہی قاعدہ ہے کہ ایسے الفاظ کو ایک ساتھ لکھنے کی بجائے الگ الگ لکھا جائے جیسے: **په خپله کو پخپله ، چی را نبی کو چیرانبی ، په کبنې کو پکبنې** لکھنا۔

چوں کہ زبان بغیر صوت کے اور املا بغیر حروف کے ممکن نہیں، لہٰذا ان دو صورتوں میں بنیادی اہمیت صوت اور حرف کو حاصل ہے، اس طرح کسی زبان کے قاعدے اور قانون جس قدر نفاست اور سلیقے سے بنائے گئے ہوں گے، اتنا ہی اس زبان کی وضع شدہ حروف اصوات کو ابلاغ کے لیے معاون و مددگار بنا دے گی، اس لحاظ سے اگر ہم اردو حروف تہجی کو دیکھیں تو اس میں اصوات کی ادائیگی کے لیے جو حروف وضع کیے گئے ہیں اس میں بہ درجہ اتم یہ خوبی موجود ہے کہ وہ نہ صرف اردو بلکہ ہمسایہ زبانوں کے بیش تر اصوات کی نمائندگی کرنے کی بھی اہل ہیں۔

چناں چہ اردو کے ۵۳ حروف تہجی ''ا آ ب بھ پ پھ ٹ ٹھ ث ٹھ ج جھ چ چھ ح خ د دھ ڈ ڈھ ذ ر رھ ڑ ڑھ ز ژ س ش ص ض ط ظ ع غ ف ق ک کھ گ گھ ل لھ م مھ ن نھ و ہ ء ی ے۔''[۱۸]

میں سے پ۔ چ۔ گ اور ژ اردو، فارسی، پشتو، سرائیکی، براہوی اور بلوچی میں یکساں ہیں (ژ سندھی میں نہیں ہے) جب کہ ث۔ خ۔ ذ۔ ص۔ ض۔ ط۔ ظ ع وغیرہ عربی کے حروف ہیں جو اب ان زبانوں میں مروج ہیں تاہم بلوچی کے مغربی لہجہ میں ان حروف کے بارے میں اختلاف ہے، اس کے علاوہ ہندی کے جوڑ۔ ڑ۔ تھ۔ ٹھ۔ پھ۔ چھ وغیرہ شامل ہیں، بہ لحاظ صوت سندھی، سرائیکی اور اردو میں اس کی ادائیگی پر اختلاف نہیں، البتہ بہ لحاظ صوت سندھی، پشتو اور اردو میں اس کے استعمال میں فرق پایا جاتا ہے اس کے علاوہ پشتو اور بلوچی میں ہندی، سندھی اور اردو کے مرکب حروف شامل نہیں۔ سرائیکی کے کل ۵۷ حروف میں سے ۳۷ پشتو کے ہیں ''ء'' ہمزہ سرائیکی میں الگ حرف کی حیثیت سے استعمال نہیں ہوتا۔ سرائیکی کے مخصوص حروف میں سے ب کے بعد کا حرف (ب کے نیچے دو نقطے اوپر نیچے لگانے سے)، ج کے بعد کا حرف (ج کے اندر دو نقطے اوپر نیچے)، ڈ کے بعد کا حروف (ڈال کے نیچے دو نقطے لگانے سے) اور گ کے بعد کا حرف (گ کے نیچے دو نقطے لگانے سے) مخصوص حروف میں سے ہیں۔ سرائیکی کے مذکورہ بالا حروف ساخت اور صوت میں سندھی سے کافی مشابہت رکھتے ہیں۔

چوں کہ، ''ہم یہ جانتے ہیں کہ اردو حروف تہجی، جن آوازوں کی نمائندگی کرتے ہیں، ان میں خالص

اردو آوازیں ۳ ہیں [ٹ۔ڈ۔ڑ] اور عربی اور فارسی کے دخیل الفاظ کے ذریعے آنے والے ۱۴ ہیں۔"[۱۹]

لیکن حروف ہجا کی مناسبت سے "اردو میں کل ۳۷ حروف ہجا ہیں۔ ان میں ۳۰ حروف عربی کے ہیں۔ تین حروف خالص ہندی کے ہیں ایک حرف خالص فارسی کا ہے اور تین حرف ہندی فارسی میں مشترک ہیں اب (پ) ت (ٹ) ث ج چ ح خ د (ڈ) ذ ر (ڑ) ز ژ س ش ص ض ط ظ ع غ ف ق ک گ ل م ن و ہ ء ی ے۔ ان میں تین حرف (ٹ) (ڈ) (ڑ) ہندی سے مختص ہیں، حرف (ژ) فارسی سے مختص ہے اور تین حرف (پ) (چ) (گ) ہندی فارسی میں مشترک ہیں، باقی ۳۰ حرف عربی کے ہیں، آخری حرف (یا) کی دو شکلیں اردو میں لکھی جاتی ہیں گول اور لانبی کے تلفظ میں معروف و مجہول کا فرق رہتا ہے لہٰذا ان کو دو حروف شمار کیا گیا ہے۔ حرف لا جو (لام الف) کہلاتا ہے جداگانہ حرف شمار نہیں کیا گیا کہ وہ (ل) اور (ا) کا مجموعہ ہے اور مجموعہ کی حیثیت سے الفاظ میں استعمال ہوتا ہے۔"[۲۰]

ان ۳۷ حروف میں سے ۹ حروف ایسے ہیں جو ہم صوت کہلاتے ہیں ان کے تین گروہ ہیں پہلے گروہ میں (ت ط)، دوسرے میں (ث، ص س) اور تیسرے میں (ذ۔ز۔ظ اور ض) ہیں۔

محمد الیاس برنی صاحب نے مذکورہ بالا حروف ہجا میں سے ت۔س اور ز کی آوازیں صاف اور واضح بتائی ہیں جب کہ باقی چھے حروف (ث۔ذ۔ض۔ط۰ظ) کے تلفظ میں دشواری بیان کرتا ہے۔ بہر حال اردو میں حروف کی تعداد جو بھی ہو لیکن یہ بات طے شدہ ہے کہ ان کی تعداد بہ لحاظ شکل کے بیس (۲۰) ہیں۔ اسی طرح پشتو کے حروف تہجی چاہے بیالیس مان لیے جائیں یا پینتالیس، لیکن بہ لحاظ شکل ان حروف تہجی کی تعداد بھی اردو کی طرح بیس ہی بنتے ہیں یعنی دونوں زبانوں میں حروف کی شکلیں بیس بیس ہیں اور ان کے حروف کی بنیادی ساخت میں بھی کوئی خاص فرق نہیں سوائے ان علامات کے جو کسی حرف کے اوپر یا نیچے دیے جاتے ہیں اس طرح پشتو میں بیک وقت عربی کے تمام حروف، فارسی سے مشترک چار حروف (پ۔چ۔ژ۔گ)، ہندی کے تین حروف (ٹ۔ڈ۔ڑ)، روسی زبان کے حروف تہجی میں ش۔ژ۔چ۔ی۔ے۔خ بہ لحاظ صوت یکساں ہیں (پشتو اور ہندی کی طرح روسی میں بھی ش کی دو مختلف صورتیں ہیں) اس طرح انگریزی زبان میں (جی) جو فرانسیسی زبان میں اکثر (ژ) سے ادا کی جاتی ہے جیسے Agency,project,Reporting,Startegy کو فرانسیسی میں اژانس، پروژہ، راپورتاستر تیژی بولتے ہیں انھی زبانوں کی طرح پشتو کے یوسف زئی لہجہ اور خٹک قندہاری لہجوں میں ایسا تغیر پایا جاتا ہے جیسے: یوسف زئی لہجہ میں جبہ، جرندہ۔، جواک وغیرہ کو خٹک قندہاری لہجہ میں ژبہ، ژرندہ، ژواک سے بدل دیتے ہیں، اوستا کی (ش۔ژ) اور ہندی میں جو دو (ش) الگ صورتوں (بہ لحاظ صوت اور بہ لحاظ حرف) استعمال کیے جاتے ہیں پشتوں میں بھی (ش) کی دو الگ صورتیں بہ لحاظ صوت اور

بہ لحاظ حرف کے موجود ہیں۔اس طرح بلوچی اور براہوی میں مستعمل بیش تر حروف پشتو میں بھی مروج ہیں جب کہ سندھی کے ۵۲ حروف میں سے ۳۰ عام حروف اور سات مخصوص میں سے ں (ڼ) پشتو میں ڼ (ڼ)، سندھی میں ں (ں کے اوپر ط کا نشان)، سرائیکی میں ں (کے بیچ میں ایک نقطہ اور اوپر ہلکا سا دائرہ) اور پنجابی میں ں (کے اندر ہلکا سا دائرہ) بنا کے ظاہر کیا جاتا ہے بلوچی میں اس کے لیے کوئی خاص حرف نہیں ہے، اردو میں اس کے لیے ''نڑ'' کی جو مرکب حرف بتائی جاتی ہے اس میں تھوڑا سا فرق ہے جیسے: پشتو میں اس کے لیے واضح مثال کونړ (افغانستان کا ایک صوبہ) کوڼ (بہرہ) اور اس طرح کے دیگر الفاظ میں استعمال کرنے سے بہ لحاظ معنی اور تلفظ کے فرق آ جاتا ہے غرض یہ کہ پشتو میں ۳۰ حروف سندھی کے، ۳۷ حروف سرائیکی کے، ۳۶ براہوی کے (براہوی زبان کا سب سے منفرد حرف وہ ہے جس میں حرف ل کے اوپر تین نقطے ڈالے جاتے ہیں)، ۲۸ حروف بلوچی کے، ۳۰ حروف فارسی کے، ۲۸ عربی کے اور ۳۱ حروف اردو کے لکھنے اور تلفظ میں ایک جیسے ہیں جب کہ ہندی، سندھی، اردو اور سرائیکی کے مرکب حروف اور آوازیں پشتو کے حروف تہجی میں شامل نہیں ہیں۔

نتیجتاً ہم کہہ سکتے ہیں کہ اردو کی طرح پشتو میں بھی ہمسایہ زبانوں کے بیش تر حروف نہ صرف شامل ہیں بلکہ اس کے حروف تہجی میں بہت سی آریائی زبانوں کی بیش تر اصوات کی ادائیگی کے لیے بھی گنجائش موجود ہے۔

حواشی:

۱۔ ڈاکٹر سہیل بخاری: ''اردو مبان کا صوتی نظام اور تقابلی مطالعہ''، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۹۱ء، ص ۷۔

۲۔ ایضاً: ''اردو رسم الخط کے بنیادی مباحث''، ایضاً طبع اول ۱۹۸۸ء، ص ۱۵۔

۳۔ ایضاً، ص ۱۰۔۱۱۔

۴۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری: ''اردو زبان وادب''، الوقار پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۵ء، ص ۶۲۔

۵۔ ''اردو املا اور رسم الخط (اصول ومسائل)''، ایضاً، ۲۰۰۴ء، ص ۱۲۔

۶۔ غلام رسول: ''املا کے قاعدے''، مشمولا: اردو املا و رموز اوقاف، مرتبہ: ڈاکٹر گوہر نوشاہی، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ص ۴۳۔

۷۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان: ''اردو املا کی تاریخ''، مشمولہ: اردو املا رموز اوقاف، ص ۱۳۔

۸۔ علامہ عبدالشکور رشاد: ''ذخیرہ البیان لیک دود''، مشمولہ البیان، واد بیاتو او بشری علوموپوهنحا، کابل، ۲۳۵۳ھ، ش، ص ۶۱۔۶۰۔

۹ قاضی خیراللہ: ''خیراللغات''، ۱۹۳۱ء لاہور، بہ حوالہ عبدالکریم بریالی، ''دپشتو لیک دود''، پشتو اکیڈمی، کوئٹہ، ۲۰۰۰ء، ص ۶۸۔

۱۰ بایزید روشان: ''خیرالبیان''، مرتبہ حافظ عبدالقدوس قاسمی، پشتو اکیڈمی پشاور یونیورسٹی، طبع دوم، ۱۹۸۸ء، ص ۱۰۲۔

۱۱ ''خیرالبیان''، ص ۱۳۳-۱۳۴۔

۱۲ ''پشتو لیک دود'' علامہ رشاد، مشمولہ: خیرالبیان، ص ۷۷۔

۱۳ ایضاً، ص ۶۵-۶۶۔

۱۴ ڈاکٹر خالد خٹک: ''سندھی پشتو اور اردو کے لسانی روابط''، پشتو اکیڈمی پشاور یونیورسٹی، ۲۰۰۷ء، ص ۱۲۸۔

۱۵ ڈاکٹر سہیل بخاری: ''اردو املا کے مسائل''، مشمولہ املا و رموز و اوقاف کے مسائل، مرتب، اعجاز راہی، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۵ء، ص ۲۰۸۔

۱۶ ڈاکٹر سید عظیم شاہ خیال بخاری: ''اتالیق پشتو''، ۲۴ دی مال روڈ، پشاور، طبع دوم)، ۱۹۸۴ء، ص ۲۴-۲۵۔

☆ اردو املا کی تاریخ، ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان مشمولہ: اردو املا و رموز و اوقاف، تفصیل کے لیے دیکھیے صفحہ نمبر ۱۳ سے ۴۶۔

۱۷ غلام رسول: ''املا کے قاعدے''، مشمولہ: اردو املا رموز و اوقاف، ص ۷۶۔

۱۸ نسیم امروہی: ''اردو لغت بورڈ کے املائی و اعرابی اصول''، مشمولہ: اردو املا کے رموز و اوقاف، ص ۳۲۵۔

۱۹ پروفیسر خلیل صدیقی: ''اردو املائی نظام''، مشمولہ املا و رموز و اوقاف کے مسائل، ص ۱۳۹۔

۲۰ محمد الیاس برنی: ''اردو ہندی رسم الخط''، مشمولہ: اردو زبان اور رسم الخط، ترتیب و تدوین فتح محمد ملک، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۲۰۰۸ء، ص ۲۶۰۔

فہرستِ اسنادِ محولہ:

۱۔ اچکزئی، عبدالصمد خان، خان شہید: ۱۳۸۵ھ ش، ''پشتو ژبہ او لیک دود''۔

۲۔ اصلاحی، اشرف الدین: ۱۹۷۸ء، ''اردو سندھی کے لسانی روابط''، طبع اول، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد۔

۳۔ انعام الحق جاوید، ڈاکٹر وغیرہ مرتبین: ۲۰۰۹ء، ''پاکستانی زبانیں مشترکہ لسانی و ادبی ورثہ''، شعبہ پاکستانی زبانیں، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد۔

۴۔ بایزید روشان: ۱۹۸۸ء، حافظ عبدالقدوس قاسمی: مرتبہ ''خیرالبیان'' طبع دوم، پشتو اکیڈمی پشاور یونیورسٹی، پشاور۔

۵۔ بایزید روشان: ۱۳۵۳ھ ش، عبدالشکور رشاد: مرتبہ ''خیرالبیان''، داد بیاتو او بشری علومو پوھنځی، کابل۔

۶۔ بخاری، سہیل، ڈاکٹر: ۱۹۹۱ء، ''اردو زبان کا صوتی نظام اور تقابلی مطالعہ'' طبع اول، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد۔

۷۔ بختانی خدمتگار، عبداللہ، سرمحقق: ۲۰۰۵ء، ''پشتو پالنہ او ژب حیړنہ''، دانش خپر ندوئی ټولنہ، پشاور۔

۸۔ بریالئی، عبدالکریم: ۲۰۰۰ء، ''دپشتو لیک دود''، پشتو اکیڈمی، کوئٹہ۔

۹۔ بلوچ، عبدالقیوم، حاجی: ۲۰۰۵ء، ''بلوچی بومیا'' طبع دوم، کوئٹہ بلوچی اکیڈمی، کوئٹہ۔

۱۰۔ خٹک، خوشحال خان: ۱۹۸۵ء، ''زنجیری یا خط نامہ''، پشتو اکیڈمی، پشاور یونیورسٹی، پشاور۔

۱۱۔ خٹک، راج ولی شاہ، ڈاکٹر: ۱۹۹۱ء، مرتبہ: ''دپشتو نوئی املا'' پشتو اکیڈمی پشاور یونیورسٹی، پشاور۔

۱۲۔ خیال بخاری، سید: ۱۹۸۴ء ''اتالیق پشتو''، پبلشرز، بک سیلرز، پشاور۔

۱۳۔ خیال بخاری، سید: ۱۹۸۳ء، ''دپشتو صرف ونحو''، طبع سوم، یونیورسٹی بک ایجنسی، پشاور۔

۱۴۔ راوٹی، میجر: ۱۳۵۶ھ ش، (مقدمہ عبدالشکور رشاد) ''گلشن روہ''، طبع سوم، داطلاعاتو اوکلتور وزارت، کابل۔

۱۵۔ راہی، اعجاز: ۱۹۸۵ء، مرتبہ: ''املا اور موزاوقاف کے مسائل''، طبع اول، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد۔

۱۶۔ سلیم اختر، ڈاکٹر: ۲۰۰۲ء، ''اردو زبان وادب کی مختصر تین تاریخ''، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد۔

۱۷۔ سندھی، ڈاکٹر حیدر، پروفیسر: ۱۹۹۹ء، ''سندھی زبان وادب کی مختصر تاریخ''، طبع اول، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد۔

۱۸۔ شاہوانی، عبدالقادر، اشیر: ۲۰۰۸ء، ''بلوچی زبان گرائمر بول چال''، کوئٹہ بلوچی اکیڈمی، کوئٹہ۔

۱۹۔ صدیقی، خلیل، پروفیسر: ۲۰۰۱ء، ''زبان کا مطالعہ''، طبع دوم، قلات پبلشرز، کوئٹہ۔

۲۰۔ صدیقی، خلیل، پروفیسر: ۲۰۰۱ء، ''زبان کیا ہے''، طبع دوم، بیکن بکس گل گشت کالونی، ملتان۔

۲۱۔ صدیقی، خلیل، پروفیسر: ۲۰۰۰ء، ''زبان کا ارتقاء''، طبع دوم، زمرد پبلی کیشنز، کوئٹہ۔

۲۲۔ فتح پوری، فرمان، ڈاکٹر: ۲۰۰۴ء، ''اردو املا اور رسم الخط (اصول ومسائل)''، الوقار پبلی کیشنز، لاہور۔

۲۳۔ فتح پوری، فرمان، ڈاکٹر: ۲۰۰۵ء، ''اردو زبان وادب'' الوقار پبلی کیشنز، لاہور۔

۲۴۔ لودھی، فرخندہ: ۱۹۸۶ء، ''اردو فارسی میں نقل حرفی''، طبع اول، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد۔

۲۵۔ محمد ریاض، ڈاکٹر: ۱۹۸۸ء، ''ایران میں قومی زبان کے نفاذ کا مسئلہ''، طبع اول، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد۔

۲۶۔ ملک، فتح محمد: ۲۰۰۵ء، ترتیب وتدوین: ''اردو زبان اور رسم الخط''، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد۔

۲۷۔ نشتر، محمد اسلام: ۲۰۰۵ء، ترتیب وتدوین، ''قومی زندگی میں قومی زبان کا مقام''، طبع اول، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد۔

۲۸۔ نوشاہی، گوہر، ڈاکٹر مرتبہ: ۱۹۸۶ء، ''اردو املا اور موزاوقاف (منتخب مقالات)''، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد۔

۲۹۔ ہندی، وارث: ۱۹۸۹ء، ''زبان وبیان (لسانی مقالات)''، طبع اول، اسلام آباد۔

۳۰۔ ''کتاب محاورہ دری، پشتو وروسی''، مؤسسہ نشراتی (زبان روسی)